روداد نویسی

روداد نویسی سے مراد کسی تقریب، جلسے، واقعہ یا میچ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرنا ہے۔ خاص طور پر علمی، ادبی سماجی وثقافتی تقاریب کا حال قلمبند کرنا روداد نویسی کا دائرہ کار ہے۔ روداد نویسی کا فن انگریزی ادب سے اردو میں آیا ہے۔ روداد نویسی کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھیں:۔

☆ روداد (Report) کسی تقریب، جلسے یا واقعے پر مشتمل ہوتی ہے۔

☆ دن، تاریخ، مقام صدارت مہمان، ناظم وغیرہ کا اس میں خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ یہ ایک طرح کی آنکھوں دیکھی کارروائی ہوتی ہے جسے مخصوص ٹائم فریم میں رکھ کر ایک خاص زبان میں لکھا جاتا ہے تاکہ تقریب یا واقعے کی تمام جزئیات ترتیب وار سامنے آسکیں۔

☆ تقریب کا آغاز تلاوتِ کلام پاک اور پھر نعتِ رسول مقبول ﷺ سے ہوتا ہے۔

☆ صاحب صدر یا مہمان خصوصی کے خطاب کے کچھ جملے روداد میں شامل کرنا ضروری ہیں۔

☆ روداد میں ربط، توازن اور تسلسل کا خاص خیال رکھیں۔

☆ تقریب کے سب سے آخری مرحلہ میں مہمانوں کو چائے کی دعوت دی جاتی ہے۔

☆ روداد میں موقع ومحل کے مطابق اشعار درج کریں۔

☆☆☆☆☆

Geniusnesthub.com

CamScanner

جلسۂ عیدِ میلاد النبی ﷺ کی روداد

میرے لہجے میں آئی ہے حلاوت
جمال ہم نشیں تیرے اثر سے

اسلامی تہوار منانا ہمارے کالج کی ایک دیرینہ روایت ہے۔ چنانچہ ہر سال کی طرح امسال بھی عیدِ میلاد النبی ﷺ کا تہوار بڑی عقیدت
(ز)ام سے منایا گیا۔ یہ تقریب دوسری تمام تقریبات سے زیادہ باوقار ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہ اُس ذاتِ اقدس کے حوالے سے ہے جو
(ث) تخلیقِ کائنات ہیں۔ کالج کی انتظامیہ نے ربیع الاوّل کا بابرکت مہینہ شروع ہوتے ہی جشن کی تیاری کا آغاز کر دیا تھا۔ ہر طرف صفائی
(ر)ہی تھی، جھنڈیاں لگ رہی تھیں، شامیانے لگائے جا رہے تھے۔ بارہ ربیع الاوّل حضور ﷺ کی ولادتِ باسعادت کا دن ہے۔ چنانچہ اِس تاریخ
(کا)لج کا سبزہ زار دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ سینکڑوں طلبہ بڑی عقیدت واحترام سے بیٹھے تھے۔

صبح نو بجے سے مہمانانِ گرامی کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ جنہیں پراکٹوریل بورڈ کے ارکان اسٹیج پر لاتے رہے۔ ساڑھے نو بجے
اِن خصوصی، معروف مذہبی اسکالر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تشریف لائے۔ جنہیں پرنسپل صاحب نے اسٹیج تک آنے میں مدد دی۔ اِس
بعد اسٹیج سیکرٹری خالد مبین نے تقریب کا باقاعدہ آغاز کیا۔ تلاوتِ قرآن حکیم سے اِس رُوح پرور جلسے کا آغاز ہوا۔ قاری محسن عباس نے
(تلاو)تِ قرآنِ پاک کی سعادت حاصل کی۔ اُن کے سوز نے دِلوں کو نرم کر دیا۔ تلاوتِ قرآنِ پاک کے بعد سال اوّل کے ایک طالب علم
(ن)عت کے موتی بکھیرے۔ اُن کی نعت کے چند اشعار یوں تھے:۔

دِل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیؐ تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیؐ تو ہو
سب کچھ تمھارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمہیؐ تو ہو

اس کے بعد پروفیسر راشد بٹ نے اپنے مخصوص اور والہانہ انداز میں خطاب کیا۔ انہوں نے حضور ﷺ کی رحمت اللعالمینی کے حوالے
(سے) کہا کہ آپ ﷺ کائنات کی سب سے قابلِ احترام ہستی ہیں۔ جن کے خزانۂ رحمت سے کوئی محروم نہیں ہوا۔ پروفیسر صاحب نے حضور ﷺ کی
(رسال)ت اور نبوت کے کمالات اِس انداز سے بیان فرمائے کہ دِلوں کی دھڑکنیں پُرسکون ہو گئیں اور یوں لگا کہ حضور ﷺ کی بلند پایہ ہستی کا سائبان
(ہم پر سایہ فگن ہو)را ہوا ہے۔ اُن کی تقریر کے دوران میں پنڈال سے سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کی آوازیں بلند ہوتی رہیں۔

CamScanner

مہمانِ خصوصی ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے خطاب میں حضورؐ کی سیرتِ مبارکہ پر روشنی ڈالی اور اپنے مخصوص اور منفرد انداز میں آپ کی نبوت کی جمالیاتی قدروں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ آپؐ وہ عظیم ہستی ہیں جن کے دندانِ مبارک شہید کر دیئے گئے۔ آپ ﷺ کو اپنے ہی خون میں نہلایا گیا مگر اسلام کی تبلیغ کے دوران میں اُس سید البشر ﷺ نے کبھی کسی کا بال بیکا نہ کیا بلکہ اِس کا جواب دعاؤں سے دیا۔ اُن کی شفقت و رحمت سورج کی طرح ابھری، چمکی اور آج بھی اپنی آب و تاب بکھیر رہی ہے اور جب تک یہ کون و مکاں موجود ہیں وہ زندگی کو برابر فیض یاب کرتی رہے گی۔ ڈاکٹر صاحب کے خطاب کے دوران میں حاضرین پر وجد کی کیفیت طاری رہی اور وقفے وقفے سے نعرہ تکبیر کی صدائیں آتی رہیں۔ اُنھوں نے اپنی تقریر کا اختتام اقبالؔ کے اس شعر پر کیا:۔

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

آخر میں پرنسپل صاحب نے مہمانِ گرامی کا شکریہ ادا کیا اور دُعا کی کہ اللہ ہمارے دِلوں کو توحید اور حُبِ رسولؐ کے جذبے سے سرشار کرے۔ تاکہ ہم سچے مسلمان بن سکیں۔ اِس کے بعد سٹیج سیکرٹری نے مہمانِ گرامی سے درخواست کی کہ وہ چائے کے لئے سٹاف روم میں تشریف لے چلیں۔ طلبہ کو پنڈال میں بیٹھنے کے لئے کہا گیا اور ان میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔ یوں ساڑھے بارہ کے قریب یہ مقدس اور بابرکت تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

☆☆☆☆☆

Geniusnesthub.com

CamScanner

تقریبِ یومِ اقبال کی روداد

علامہ اقبال ہمارے ملی شاعر اور ایک عظیم فلسفی رہنما تھے۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی ہمارے کالج میں ان کی برسی عزت و احترام سے منائی گئی۔ یہ ۲۲ اپریل ۲۰۱۰ء کا خوبصورت دن تھا۔ اس دن کالج کو خوبصورت جھنڈیوں اور رنگا رنگ پرچموں سے سجایا گیا تھا۔ ڈاکٹر سہیل عمر ناظم اقبال اکیڈمی اس تقریب کے مہمانِ خصوصی تھے۔ اس کے علاوہ دیگر ماہر اقبالیات پروفیسر ڈاکٹر خواجہ ذکریا، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، پروفیسر خالد مبین، پروفیسر سلمان صدیق اور پروفیسر لطیف ساحل صاحب نے اس تقریب میں شرکت فرما کر اس تقریب کی اہمیت کو چار چاند لگا دیئے:۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

اسٹیج سیکریٹری پروفیسر محمد اسحاق نے تقریب کے بارے میں تعارفی کلمات ادا کرتے ہوئے کہا کہ علامہ اقبال ملت اسلامیہ کے عظیم مفکر ہیں۔ ان کی شخصیت عالم اسلام کے لئے منارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا آج کی نشست اقبال کے افکار عالیہ کو سمجھنے کی ایک کڑی ہے۔ اس کے بعد اسٹیج سیکریٹری نے تقریب کے صدر اور کالج کے پرنسپل جناب عابد وزیر خاں اور دیگر مہمانوں کو اسٹیج پر ان کی مخصوص نشستوں پر بیٹھنے کے لیے دعوت دی۔

تقریب کے آغاز میں تلاوت کی سعادت فرسٹ ائیر کے طالبِ علم حافظ زبیر انور نے حاصل کی۔ اس کے بعد پروفیسر خالد مبین نے "اقبال اور رومی" کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اقبال نے رومی کو اپنا روحانی مرشد قرار دیتے ہوئے ان کی "مثنوی معنوی" سے کسبِ فیض کیا ہے۔ رومی انسان کی روحانی ترقی کے لیے عقل کی بجائے دل کو مرکز و محور قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے اپنے روحانی استاد رومی کا ذکر اپنے کلام میں جا بجا بڑے احترام سے کیا ہے:۔

پیر رومی خاک را اکسیر کرد
از غبارم جلوہا تعمیر کرد

تقریب کے دوسرے اہم مقرر خواجہ زکریا صاحب اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے۔ انہوں نے بڑے تحقیقی انداز میں ان عناصر کا تجزیہ کیا انہوں نے علامہ اقبال کو ہند کے شاعر سے اسلامی شاعر بننے میں مدد دی۔ تقریب کا وقار اور سنجیدگی حاضرین پر اپنا اثر دکھا رہی تھی۔ لہٰذا حاضرین خاموشی سے گفتگو سن رہے تھے۔ اس کے بعد پروفیسر رفیع الدین ہاشمی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اقبال اس مقام پر ہیں جہاں اسرار فطرت بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ اقبال نے قرآن و سنت کی تفسیر ایسے دلچسپ انداز میں کی ہے کہ ہر مسلمان مردِ مومن کی زندہ تصویر نظر آئے۔ افکار اقبال کا خلاصہ ان کے اس شعر میں بیان کیا جاسکتا ہے:۔

Geniusesthub.com

CamScanner

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جُزو بہ قرآن زیستن

اگلے مقرر جناب پروفیسر سلمان صدیق نے اقبال کی شعری لسانیات کے محاسن بیان کرتے ہوئے اقبال کو شعری سطح کا ایک بلند شاعر قرار دیا اور اپنی بات کی دلیل میں اقبال کے کئی اشعار سنائے۔

پروفیسر لطیف ساحل نے اقبال کے خطبہ الٰہ آباد کو بنیاد بناتے ہوئے علامہ کو وہ عظیم رہنما قرار دیا جس نے ہندوستان کی بکھری ہوئی غلام قوم کو ایک ایسی راہ دکھائی جس پر چل کر وہ آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ اس مفکرِ اسلام نے ملت اسلامیہ کو آزادی کا پیغام اس دور میں دیا جبکہ دولتِ برطانیہ کا سورج غروب ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے بعد بڑی دلنشین آواز میں احمد نبیل نے اقبال کے چند اشعار سنائے:۔

یہ گنبد مینائی یہ عالم تنہائی
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی

مہمانِ خصوصی سہیل عمر نے کہا کہ وہ خوش قسمت ہیں کہ انہیں اقبالیات کے عظیم ماہرین کی گراں قدر گفتگو سننے کا موقع ملا۔ انہوں نے مزید کہا کہ آج قوم انتشار کا شکار ہو رہی ہے اور زندگی مسائل کی آماجگاہ بن چکی ہے۔ لہٰذا ایسی شخصیات کا ذکر کرنے کی بہت ضرورت ہے جو قوم کو اس کے تشخص کی پہچان کروا سکیں۔ نیز علامہ نے عشقِ رسولؐ اور اسلام کو انتہائی اثر انگیز انداز میں پیش کیا ہے۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے

آخر میں اسٹیج سیکریٹری نے تقریب کے سرپرست اور پرنسپل کالج ھٰذا جناب عابد وزیر خان کو خطاب کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ اقبال نے ہماری نوجوان نسل کو اپنی امیدوں کا مرکز و محور قرار دیا ہے۔ نوجوان ہی کسی قوم کا زندہ و بیدار سرمایہ ہوتے ہیں جو مستقبل کی بہتر رہبری کرتے ہیں۔ لہٰذا نوجوانوں کو کلامِ اقبال سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ اس کے بعد انہوں نے مہمانِ خصوصی، مقررین اور طلبا کا شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے اس تقریب کو رونق بخشی۔ اس کے بعد حاضرین کی تواضع کی گئی۔

☆☆☆☆☆

تقریبِ یومِ آزادی کی روداد

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود

ہوتی ہے بندہ مومن کی اذاں سے پیدا

آزادی بڑی نعمت ہے۔ اِس نعمت کی اہمیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ آزادی ہزاروں قربانیوں کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ آزادی کے بغیر انسان کی غیرت وحمیت محفوظ رہتی ہے اور نہ ہی جان و مال۔ اسلام میں آزاد کی نماز غلام کی نماز سے بہتر ہے۔ اِس لیے اسلام آزادی حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے اور جدو جہد کی تلقین کرتا ہے۔

زندہ قومیں اپنے ماضی کو کبھی فراموش نہیں کرتیں۔ برصغیر پر مسلمانوں نے ڈیڑھ ہزار برس تک حکومت کی مگر اپنوں کی غداری اور غیروں کی سازش نے مسلمانوں کو انگریزوں کے ہاتھوں غلام بنا دیا۔ مسلمان چونکہ آزادی پسند قوم ہیں اِس لیے غلامی کا یہ طوق جلد ہی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اپنی گردنوں سے اتار پھینکا۔

ہمارے کالج میں ہر سال ۱۴ اگست کو یومِ آزادی کی تقریب منعقد ہوتی ہے۔ اِس دِن کالج کو جھنڈیوں، بینروں اور قمقموں سے دلہن کی طرح سجایا جاتا ہے۔ کالج ہال کی شان اور خوبصورتی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہاں ایک پروقار تقریب منعقد ہونے جا رہی تھی۔ اِس تقریب کے مہمانِ خصوصی پسر اقبال جسٹس (ریٹائرڈ) جاوید اقبال تھے۔ تقریب کے صدر پرنسپل صاحب تھے اور اسٹیج سیکرٹری کے فرائض پروفیسر خالد مبین نے ادا کیے۔ دیگر مہمانوں میں کالج کے اساتذہ پروفیسر اسحاق چودھری، پروفیسر رضا احمد، پروفیسر سلمان صدیق شامل تھے۔ طلبہ سے ہال کھچا کھچ بھرا تھا:۔

قرآن ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہے

کس حسن سے، یہ بھی تو سنو، حسن عمل ہے

تقریب کا آغاز قرآنِ مجید کی تلاوت سے ہوا۔ سال اوّل کے طالب علم رشید احمد نے خوش الحانی سے ''سورۃ الرحمان'' کی چند آیات تلاوت کیں۔ نعتِ رسول مقبولؐ کے لیے سال دوم کے طالب علم عمار کا نام پکارا گیا۔ اِس طالب علم نے ''میٹھا میٹھا ہے میرے محمدؐ کا نام'' والی نعت کا اپنی میٹھی زبان سے ایسا جادو جگایا کہ حاضرین پر سرور و مستی کی کیفیت طاری ہوگئی۔

سیکرٹری صاحب نے تقریب کے پہلے مقرر جناب پروفیسر اسحاق کو سٹیج پر بلایا۔ اِن کی گفتگو کا موضوع تھا ''دو قومی نظریہ'' انہوں نے بڑے مدلل انداز سے ثابت کیا کہ ہندوستان میں ہر لحاظ سے دو قومیں اکثریت میں تھیں اِن میں ایک ہندو اور دوسرے مسلمان تھے۔ اِن دونوں قوموں کی معاشرتی، تہذیب وتمدن ہر لحاظ سے مختلف ہے یہ کبھی اتفاق واتحاد سے نہیں رہ سکتیں لہٰذا اِن کا الگ ہو جانا ہی بہتر ہے۔ اب کچھ لوگ سرحدوں کے ختم ہونے کی بات کرتے ہیں وہ غالباً ہندوؤں کی ذہنیت سے واقف نہیں ہندو مسلمانوں کو اپنا محکوم بنا کر اِن کا بدلہ چکانا چاہتے ہیں۔ اس وقت برصغیر مسلمانوں کا جوش دیدنی تھا وہ کہتے تھے:۔

CamScanner

سینے پہ گولی کھائیں گے

پاکستان بنائیں گے

اگلے مقرر جناب پروفیسر رضا احمد تھے انہوں نے "تخلیق پاکستان کا مقصد" کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں پاکستان کے بنیادی مقصد کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ پاکستان اسلام کے نام پر بنایا گیا لہٰذا ہمیں تمام تر جدوجہد اسے ایک اسلامی مملکت بنانے کے لیے صرف کرنی چاہیے۔ پروفیسر سلمان صدیق نے اپنی تقریر میں کہا کہ وطن عزیز بے شمار قربانیوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ نئی نسل ان قربانیوں سے غافل ہے اور چند مفاد پرست عناصر وطن عزیز میں صوبائی، علاقائی اور لسانی زہر پھیلا رہے ہیں۔ آج ہم ایک دوسرے پر مفاد پرستی کا الزام لگاتے ہیں۔ کوئی پنجاب کو برا کہتا ہے اور کوئی سندھ کا رونا روتا ہے، کوئی بلوچستان کی علیحدگی کا نعرہ لگاتا ہے۔ یوں مملکت خداداد کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی ہندو سازش کو کامیاب کر رہے ہیں۔ لیکن ان شاءاللہ یہ لوگ کبھی کامیاب نہ ہوسکیں گے:۔

ہزار بار میں پیوند خاک ہوجاؤں

میرا وطن میرے پروردگار زندہ رہے

اسٹیج سیکرٹری نے سال دوم کے چند طلبہ کو بلایا جنہوں نے ملی نغمے پیش کیے۔ اس سے فضا میں جوش اور ولولہ پیدا ہوگیا تھا۔ حاضرین بھی طلبہ کے ساتھ ساتھ زیر لب نغموں کے بول گا رہے تھے۔ اسٹیج سیکرٹری نے کہا کہ تحریک پاکستان کا آغاز برصغیر کے مسلمانوں نے کیا تھا اور منطقی انجام تک قائداعظمؒ نے پہنچا کر پاکستان بنایا۔ اب ہمیں اس تحریک کو تب تک جاری رکھنا ہوگا۔ جب تک پاکستان اسلام کا مضبوط قلعہ اور ترقی یافتہ ملک نہ بن جائے:۔

آؤ اپنے جسم چمن دیں اینٹ پتھر کی طرح

بے درودیوار ہے لیکن یہ گھر اپنا تو ہے

آخر میں تقریب کے مہمان خصوصی کو دعوت سخن دی گئی۔ جسٹس (ر) جاوید اقبال صاحب نے دوقومی نظریہ، تحریک پاکستان اور تخلیق پاکستان کے مختلف مراحل اور مسلمانوں کی آزادی کے لیے قربانیوں کا سیر حاصل تذکرہ کیا۔ اور نہایت دردمندی سے نوجوانوں کو اس بات کی تلقین کی کہ وہ اس ملک کی قدر کریں اور اس کی ترقی کے لیے اپنی صلاحیتوں کے مطابق شب و روز محنت کریں۔ مہمانِ خصوصی کی تقریر کے بعد صدر مجلس جناب پرنسپل نے مقررین اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا جن کی وجہ سے آج خوبصورت اور یادگار تقریب منعقد ہوسکی۔ تقریب کے اختتام پر مہمانوں کی چائے سے تواضع کی گئی۔

Geniusesthub.com

CamScanner

محفلِ مشاعرہ کی روداد

مشاعرہ ہماری تہذیب وثقافت میں ایک مفید اور تعمیری روایت کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارے کالج کی بزمِ ادب نے ۱۶، مارچ بروز جمعرات ۸ بجے شب کالج ہال میں ایک مشاعرہ منعقد کروایا۔

مشاعرہ کا اصل وقت ساڑھے آٹھ بجے شب تھا۔ میں اپنے دو دوستوں کے ہمراہ مقررہ وقت پر ہال میں پہنچا تو سٹیج خالی تھا۔ تاہم ل کی تقریباً آدھی نشستیں پُر ہو چکی تھیں۔ ہال رنگارنگ برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ مشاعرے کے منتظمین بزمِ ادب کے مخصوص نشان ینوں پر آویزاں کیے ہال سے باہر مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔ ہم نے سٹیج کے سامنے پانچ، چھ قطاریں چھوڑ کر ایک قطار میں خالی شستیں سنبھال لیں۔

مشاعرے کی نشست فرشی تھی۔ خوبصورت قالینوں پر نصف دائرے میں گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد منتظمین شعرائے کرام کو لے کر ہال میں داخل ہوئے تو حاضرین نے کھڑے ہو کر تالیاں بجا کر انہیں خوش آمدید کہا۔ شاعر حضرات سٹیج پر پہنچ کر تکیوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ سٹیج کے سامنے قریبی نشستوں پر پرنسپل صاحب، شہر کی معزز شخصیات اور اساتذہ کرام تشریف فرما تھے۔ اب ہال تقریباً بھر چکا تھا۔ بزمِ ادب کے سیکریٹری نے مائیک پر آ کر مشاعرے کے آغاز کا اعلان کیا۔ سب سے پہلے جناب احمد ندیم قاسمی سے درخواست کی گئی کہ وہ صدارتی نشست پر تشریف لائیں۔ ابتدا قرآنِ پاک کی تلاوت سے ہوئی۔ اب مشاعرے کا اصل دور شروع ہوا جو شہر سے آنے والے شعرا کے کلام پر مشتمل تھا۔ شاعر علامہ محمد اقبال کا یہ شعر بہت پسند کیا گیا:۔

تیرے وجود کی نس نس سے آنچ جھانکے گی

اگر ہے ذوقِ تماشا، نظر کی بات نہ کر

جناب یعقوب پرواز، جناب مرغوب حسین طاہر، جناب علی اکبر عباس، جناب جعفر بلوچ اور جناب حفیظ الرحمٰن احسن کے کلام پر سامعین نے کھُل کر سلیقے سے داد دی۔ اب جناب تحسین فراقی نے اپنی غزل پیش کی جس کا مطلع یہ تھا:۔

قضا نے جب بھی کڑا وقت مجھ پہ ڈالا ہے

کسی خضر نے مجھے آ کے خود سنبھالا ہے

جناب عطاء الحق قاسمی بنیادی طور پر ایک مزاح نگار ہیں مگر ان کی شاعری بھی منتخب کلام میں شمار ہوتی ہے۔ وہ داد سمیٹ کر گئے تو جناب ڈاکٹر خورشید رضوی مائیک پر آئے۔ پہلے ایک مختصر قطعہ پیش کیا اور اس کے بعد ایک غزل جس کے اِس شعر پر انہیں خاصی داد ملی:۔

Geniusneshub.com

CamScanner

یہی ہے عشق کے سر دو مگر دہائی نہ دو

وفورِ جذب سے ٹوٹو مگر سنائی نہ دو

اب امجد اسلام امجد اور اُن کے بعد ریاض مجید مائیک پر آئے۔ ریاض کا یہ شعر شاید ملکی حالات اور سیاسی و معاشرتی انتشار کے حوالے سے بہت پسند کیا گیا۔ شعر کچھ یُوں ہے:۔

ہم کو صحن و بام کی تقسیم سے فرصت نہیں

بیٹھی جاتی ہیں بنیادیں مکان گرنے کو ہے

بزرگ شعرا میں مظفر وارثی، منیر نیازی، عنایت علی خان اور احمد فراز نے سامعین کو اپنے بلند پایا کلام سے نوازا۔ منیر نیازی کی غزل کو بہت داد وصول ہوئی جس کا ایک شعر یوں تھا:۔

اب کسی میں اگلے وقتوں کی وفا باقی نہیں

سب قبیلے ایک ہیں، اب ساری ذاتیں ایک سی ہیں

اِن کے بعد صدر مشاعرہ نے حاضرین کو اپنے کلام سے محظوظ کیا۔ اِس کے ساتھ ہی مشاعرہ ختم ہوا۔ آخر میں جناب پرنسپل صاحب نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے علاوہ منتظم مشاعرہ، اساتذہ اور طلبہ کا بھی شکریہ ادا کیا جن کی کوششوں اور تعاون سے یہ مشاعرہ کامیاب رہا۔

ہم باہر نکلے تو کافی رات ہو چکی تھی تاہم اپنی گاڑیوں میں سوار ہو کر ہم تینوں دوستوں نے مشاعرے پر تبصرہ کیا۔ ہم سب کا خیال تھا کہ یہ ایک کامیاب مشاعرہ تھا۔

☆☆☆☆☆

GenuineStuff.com

CamScanner

کرکٹ میچ کی روداد

جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

کھیل انسانی صحت کے لیے بہت ضروری ہیں۔ جتنا کھیل میں شریک ہونے کا لطف آتا ہے اُتنا ہی کسی کھیل کو بطور تماشائی دیکھنے کا۔ کیونکہ وہ کھیل کی ہر اونچ نیچ اور اس میں ہونے والی ہر تبدیلی پر نظر رکھتا ہے۔

یوں تو میں نے کئی میچ دیکھے ہیں لیکن کرکٹ کا ایک میچ جو پاکستان اور آسٹریلیا کے مابین منعقد ہوا وہ آج بھی مجھے یاد ہے۔ میں نے اسے کیبل ٹی وی پر دیکھا۔ آپ بھی اس کھیل کی روداد پڑھ کر اس سے محفوظ ہوں گے۔ یہ ۶ جون ۲۰۱۰ کی ایک خوبصورت صبح تھی۔ منگل کا دن تھا۔ آسٹریلیا کے ایک خوبصورت شہر سڈنی کے سٹیڈیم میں صبح دس بجے پاکستان اور آسٹریلیا کی ٹیموں کے مابین کرکٹ میچ کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔ میچ کے باقاعدہ آغاز سے قبل دونوں ٹیموں کے کپتان امپائر کی موجودگی میں وکٹ پر تشریف لے گئے جہاں ٹاس کیا گیا۔ پاکستان نے ٹاس جیت کر آسٹریلیا کو پہلے بیٹنگ کی دعوت دی۔ آسٹریلیا کی طرف سے میتھیو ہیڈن نے بہترین بلے بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلے ہی اوور میں چوبیس قیمتی رنز کا اضافہ آسٹریلیا کے مجموعی اسکور میں کیا۔

کھیل کا تیسرا اوور اپنے ساتھ ڈرامائی تبدیلی لے کر آیا جبکہ میتھیو ہیڈن ایک جارحانہ اسٹروک کھیلنے کی خواہش میں آگے بڑھے اور کلین بولڈ ہو گئے اس کامیابی کا سہرا پاکستان کے تیز رفتار باؤلر محمد آصف کے سر بندھا۔ آسٹریلیا کی طرف سے اگلے آنے والے بلے باز رکی پونٹنگ زیادہ جم کر نہ کھیل سکے اور کھیل کے آٹھویں اوور کے دوران میں عبدالرزاق کی گیند پر وکٹ کیپر کامران اکمل کے ہاتھوں کیچ آؤٹ ہو گئے اس وقت ان کا اسکور 10 تھا۔ تماشائیوں نے کامران اکمل کے اچانک کیچ پکڑنے پر انتہائی حیرانی اور جوش کا مظاہرہ کیا اور ہو ہو کی آوازیں نکالنے لگے۔ آسٹریلیا کی ٹیم نے جس انداز میں کھیل کا آغاز کیا تھا اسے وہ اس طریقے سے جاری نہ رکھ سکے اور پینتیس اوورز کے اختتام پر اُس کے چھ کھلاڑی آؤٹ ہو چکے تھے جبکہ آسٹریلیا کا مجموعی اسکور نوے تھا۔ میچ کے دوران میں آسٹریلیا کے تماشائی بار بار تالیاں اور تیز تیز ہارن بجاتے تاکہ ان کے کھلاڑیوں کا حوصلہ بلند رہے۔ لیکن ساتویں اور آٹھویں وکٹ کی شراکت میں آسٹریلیا کی ساری ٹیم دو سو دس کے مجموعی سکور پر کھیل کے پینتالیسویں اوور میں آؤٹ ہو گئی۔

پاکستان کو میچ جیتنے کے لیے جو ہدف ملا اگرچہ وہ کوئی مشکل ہدف نہ تھا لیکن پاکستان کے بلے بازوں کی کارکردگی نے اننگز کے آغاز میں اسے خاصا مشکل بنا دیا۔ تماشائی پاکستانی ٹیم کی کارکردگی دیکھ کر دِل ہی دِل میں خوش ہو رہے تھے بلکہ بعض منچلے باجے کی آواز پر رقص کر رہے تھے۔ پاکستان کے پہلے چار بلے باز اسکور میں کوئی خاطر خواہ اضافہ کیے بغیر پویلین کی سمت روانہ ہوئے۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ میچ میں اچانک اُس وقت زبردست جوش پیدا ہو گیا جب انضمام الحق نے آتے ہی ہمیشہ کی طرح ہر بال پر چوکے چھکے مار کر برے حالات میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک شاندار سینچری اسکور کی۔ تماشائیوں نے کھیل میں جان پڑتے دیکھ کر انضمام الحق کے ہر چھکے اور چوکے پر خوب دِل کھول کر داد دی اور تالیاں بجائیں کہ پویلین گونج اُٹھا۔ اس سینچری نے پاکستانی ٹیم کے قدم جما دیے اور یوں جیت کے لیے ملنے والے ہدف کو با آسانی پورا کر لیا۔ پاکستان نے دو سو گیارہ رنز صرف چھ وکٹوں کے نقصان پر پورے کر لیے جبکہ کھیل کے ابھی آٹھ اوور باقی تھے۔ انضمام الحق آخر تک کھیلتے رہے اور ایک سو ستائیس کے اسکور پر ناٹ آؤٹ رہے۔

انضمام الحق کو بہترین کارکردگی کی بنیاد پر مین آف دی میچ قرار دیا گیا۔ یوں پاکستان اور آسٹریلیا کے درمیان ہونے والے اس ایک روزہ بین الاقوامی میچ کا اختتام ہوا۔

☆☆☆☆☆

CamScanner

مطالعاتی سفر کی روداد

ہوائے دَور مئے خوش گوار ، راہ میں ہے

خزاں چمن سے ہے جاتی، بہار راہ میں ہے

گزشتہ دنوں ہمارے کالج کی طرف سے طلبہ کا ایک وفد تاریخی مقامات کی سیر کے سلسلے میں قلعہ روہتاس کے لیے روانہ ہوا۔اس تفریحی اور مطالعاتی دورے کا پروگرام پچھلے ایک ماہ سے زیرِ ترتیب تھا جو بالآخر اس ماہ پایہء تکمیل کو پہنچا۔

پروگرام کے مطابق ایک روشن صبح کو کالج بس قلعہ روہتاس کے لیے روانہ ہوئی۔ دریائے راوی کے پل سے پہلے ہماری بس مینار پاکستان کے قریب سے گزری تو طلبہ کا جوش خروش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔اس موقع پر کچھ طلبہ نے جذبات کی شدت میں پاکستان زندہ باد کے نعرے بھی لگائے۔نعروں میں اس قدر شدت تھی کہ بس کے شیشے بند ہونے کے باوجود ان کی آواز سڑک پر موجود دیگر افراد کی سماعت سے ٹکرائی اور انھوں نے مسکراتے ہوئے بس کی طرف دیکھا۔لیکن بس ان کی نظریں کی حدود سے نکل چکی تھی۔ دریائے راوی عبور کرتے ہی بس کی رفتار میں اضافہ ہوا لیکن جب یہ اضافہ حدِ اعتدال سے بڑھتا ہوا محسوس ہوا تو معزز اساتذہ کرام نے مداخلت کرتے ہوئے ڈرائیور کو رفتار کم کرنے کا کہا۔ یہ حکم نوجوان طلبہ کے مزاج پر گراں تو گزرا لیکن وہ احتراماً خاموش رہے۔طلبہ مختلف ٹولیوں میں تقسیم ہو کر بیٹھ گئے۔ان میں سے کچھ طلبہ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔کچھ اپنی آواز کا جادو جگانے کی سعی لا حاصل کر رہے تھے، جبکہ کچھ طلبا بس کے شیشوں میں سے باہر گزرنے والی اشیا پر برجستہ تبصرہ کر رہے تھے۔

بس فراٹے بھرتی ہوئی اپنی منزل کی جانب گامزن تھی۔راستے کی آبادیاں، بازار اور کھیت کھلیان اُس کی گرد سے دور سے دور ہوتے جا رہے تھے۔جوں جوں وقت گزر رہا تھا، صبح کی ٹھنڈک دوپہر کی تمازت میں تبدیل ہو رہی تھی۔اب کچھ طلبہ مسلسل بولنے اور گانے سے تھک گئے تھے اور اپنی نشست سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے ہوئے آرام کر رہے تھے۔اساتذہ کرام بھی اپنی گفتگو اور اخبار کے مطالعہ سے بیزار ہو چکے تھے۔ بس کا ڈرائیور پوری توجہ اور انہماک سے اب بھی بس رواں دواں رکھے ہوئے تھا:۔

تھکیں جو پاؤں تو چل سر کے بل ، نہ ٹھہرا آتش

گل مراد ہے منزل میں خار راہ میں ہے

وقت کے ساتھ ساتھ فاصلے سمٹ رہے تھے اور اب منزل قریب تر ہو رہی تھی منزل پر پہنچنے کی امنگ ایک مرتبہ پھر طلبہ کو بیدار کر چکی تھی۔ وہ تازہ دم ہو کر اپنی گفتگو اور گانے کا اہتمام کر چکے تھے۔ایک دوسرے پر جملے بازی اور ہنسی مذاق کے سلسلے نے ماحول کو مہکا دیا تھا۔

CamScanner

ابھی طلبہ پوری طرح اپنے جوہر دکھا بھی نہ پائے تھے کہ منزل آ پہنچی۔ دوپہر کے کھانے کا اہتمام قلعہ روہتاس میں کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں کھانا بنا کر لایا گیا تھا صرف اُسے گرم کرنا تھا۔ بس جونہی قلعہ روہتاس کی حدود میں داخل ہوئی طلبہ کی بے قراری انتہا کو پہنچ گئی۔ اُن کے طرزِ عمل سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی بس سے چھلانگ لگا دیں گے لیکن شکر ہے کہ بس کے دروازے بند تھے۔

بس سے اترتے ہی تمام طلبہ کو ایک جگہ اکٹھا کیا گیا اور تاریخ کے پروفیسر جناب کرامت حسین نے قلعہ روہتاس کی تاریخی اہمیت کے حوالے سے ابتدائی گفتگو کی۔ انھوں نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ قلعہ روہتاس بادشاہ شیر شاہ سوری کے دیگر یادگار کاموں میں سے ایک اہم کارنامہ ہے۔ یہ قلعہ ناقابل تسخیر قلعہ شمار کیا جاتا تھا۔ اس قلعہ کی وسعت اور مضبوطی بھی دیگر قلعوں سے کہیں زیادہ تھی۔ یہاں ایک پانی کا بڑا کنواں جسے باولی کہتے ہیں اور اس کے علاوہ انھوں نے طلبہ سے اس قلعہ کے حوالے سے کچھ اور مفید باتیں بھی کیں لیکن طلبہ کی دلچسپی اب باتوں سے زیادہ کھانے کی طرف تھی۔ اور حقیقت میں صبح سویرے کیا گیا ناشتہ ہضم ہو چکا تھا جبکہ بس میں استعمال کیا جانے والا سامان خورد و نوش کا بھی دور دور تک کوئی نشاں باقی نہیں تھا۔

اب طے یہ پایا کہ چند طلبہ ایک پروفیسر صاحب کی معیت میں کھانا گرم کروا کے لائیں۔ اس دوران میں باقی طلبہ اور اساتذہ کرام حاجت ضروریہ سے فارغ ہو کر مقررہ جگہ پر جمع ہو جائیں گے۔ جہاں کھانا تناول کیا جائے گا اور بعد ازاں سب کو آزادی ہو گی کہ وہ قلعہ کی سیر کے لیے نکل کھڑے ہوں اور مقررہ وقت پر واپسی کے لیے بس کے پاس جمع ہو جائیں۔ اس سلسلے میں معزز اساتذہ کرام نے طلبہ کو کچھ نصیحتیں بھی کیں، جنھیں انہوں نے قدرے ناگواری سے سنا اور اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

تقریباً اڑھائی تین گھنٹے کی مٹر گشت کے بعد طلبہ کی ٹولیاں آہستہ آہستہ بس کے گرد جمع ہونے لگیں ان میں سے اکثر بس کی نشستوں پر براجمان تھے۔ اب طلبہ صبح کی نسبت تھکے تھکے محسوس ہو رہے تھے، اُن کی تیزی طراری ماند پڑھ چکی تھی۔ بس کے چلنے سے پہلے طلبہ کی گنتی کی گئی۔ واپسی کا سفر بہت خاموشی سے طے ہوا۔ شبہ ہو رہا تھا کہ یہ طلبہ صبح والے طلبہ نہیں ہیں بلکہ تبدیل ہو گئے ہیں۔ لیکن حقیقت یہی تھی کہ طلبہ وہی تھے لیکن اب ان پر تھکاوٹ کے آثار غالب تھے۔ تمام راستے ہلکی پھلکی گفتگو ہوئی وہ بھی ضرورتاً اور زیادہ تر یہ لوگ سوتے اونگھتے، لاہور تک پہنچے۔ بس کالج کی حدود میں پہنچی تو رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ اکثر طلبا کے والدین انھیں لینے کے لیے پہنچے ہوئے تھے۔ یوں یہ خوشگوار سفر اختتام کو پہنچا جس کی یادیں عرصہ تک شرکائے سفر کے دلوں میں رہیں۔

☆☆☆☆☆

CamScanner

دہشت گردی کے واقعہ کی روداد

یہ ایک فطری امر ہے کہ ہر شخص اپنا ماضی یاد کرتا ہے۔ خواہ اس کا ماضی شاندار ہو یا تاریک جب اسے تنہائی اور فرصت کے چند لمحے میسر آتے ہیں تو وہ اپنے ماضی کے تصورات میں کھو جاتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان تنہا اور فارغ ہو تو اس وقت ماضی کے واقعات اور حالات اس کی نگاہوں کے سامنے متحرک فلم کی طرح گھومنے لگتے ہیں اور اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ماضی پھر لوٹ آیا ہے۔ ساتھیوں ،عزیزوں اور رشتہ داروں کے دھندلے نقوش واضح ہو جاتے ہیں۔

میرے ذہن میں ایک دہشت ناک واقعہ ابھر رہا ہے کیونکہ دور حاضر ہنگاموں اور دہشت گردی کا دور ہے۔ سکون قطعی ناپید ہے۔ انسان، انسان، کے خون کا پیاسا ہے۔ ایک ملک دوسرے ملک کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ وہی قوم اور وہی ملک پروقار اور پرسکون زندگی بسر کر سکتا ہے جس کے پاس زبردست عسکری طاقت ہو لیکن زمانہ تیزی سے تغیر پذیر ہے۔

خودکش حملے ایک ایسی ناقابل تسخیر قوت ہے۔ جس کے سامنے بڑی بڑی سپر پاورز بے بس دکھائی دیتی ہیں۔ یہ دہشت گردی انفرادی بھی ہوتی ہے اور اجتماعی بھی۔ حصول مقصد کے لیے خوف کی ایک فضا قائم کی جاتی ہے دہشت گردی اور خودکش حملوں کا بھی یہی مقصد ہے جس کی زد میں بہت سے بے گناہ بھی آجاتے ہیں۔

یہ جو واقعہ میں بیان کرنے والا ہوں یہ سارا منظر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ہم پانچ افراد گھر سے خریداری کرنے کے لیے مون مارکیٹ، اقبال ٹاؤن لاہور کی طرف آئے۔ میں نے گاڑی میں بیٹھنے کا فیصلہ کیا اور باقی چاروں افراد مارکیٹ میں داخل ہو گئے ابھی چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ایک زوردار دھماکے کی آواز سے پورے علاقے کی فضا گونج اٹھی۔ ابھی ایک ہی منٹ گزرا ہوگا کہ ایک اور اسی طرح کی زوردار آواز سنائی دی۔

ہر طرف دھواں ہی دھواں نظر آنے لگا۔ نفسا نفسی کا یہ عالم تھا ہر طرف سے چیخ و پکار ہو رہی تھی۔ پوری مارکیٹ آگ اور دھوئیں کی لپٹ میں تھی اور ہر طرف لاشیں ہی لاشیں تھیں۔ انسانی اعضا چیتھڑوں کی صورت میں بکھرے پڑے تھے۔

اتنے میں بے شمار ایمبولینس آ کھڑی ہوئیں اور پولیس کی تو کوئی انتہا نہیں تھی روڈ اور چوک بلاک ہو چکے تھے۔ ہر انسان اشک بار تھا اور لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔

فائر بریگیڈ کی گاڑیاں پانی ڈالنے میں مصروف تھیں مگر اس کے باوجود آگ قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ کئی سال سے ہمارا ملک اس دہشت گردی کے عذاب سے دوچار ہے۔ اس نے انسانی خون کو پانی سے ارزاں کر رکھا ہے۔ اس نے معصوم مسکراہٹوں کو زندگی کے لبوں سے نوچ لیا ہے۔ زندگی خطرات کی زد میں ہے چاروں طرف خودکش دھماکے ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور ان آگ کے شعلوں میں انسانیت دم توڑ رہی تھی۔ میری طرح سب بے بسی کے عالم میں آگ میں جلتی ہوئی لاشوں، عمارتوں اور دکانوں کو دیکھ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چمن کی بہاریں آگ کے شعلے بن گئیں۔ بقول شعر:۔

Geniusneshub.com

یہ حکم ہے کہ اس کے لبوں کو رفو کرو

جو اس دیار درد میں ہنستا دکھائی دیے

اس خودکش حملے نے اس قدر تباہی مچادی کہ میرے گھر کے چاروں افراد آگ کی زد سے نہ بچ سکے ان کی زندگیاں بچ تو گئیں مگر کسی کا ہاتھ نہیں، کسی کا پیر نہیں اور کسی کی آنکھ نہیں رہی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی لاشیں اور کٹے ہوئے بدن ہر طرف بکھرے تھے:۔

وہ عہد طفلی سے پیری میں پاؤں رکھتا ہے

کسی غریب کا بچہ جواں نہیں ہوتا

ساری رات آنکھوں میں جاگتی ہوئی گزرتی رہی، دھوئیں کے، بادل اور آگ کے شعلے آسماں سے باتیں کرتے رہے ریسکیو اور پولیس والے جلی سڑی، اور کٹی ہوئے لاشیں اسپتالوں میں پہنچاتے رہے۔ اس واقعے سے ایک شہر کیا پورا ملک سوگوار تھا۔ مرنے والوں میں پڑھیوں والے بھی تھے جو دوسرے اضلاع سے روزی کمانے یہاں آئے تھے۔ شہر کے دکاندار بھی تھے اور گاہک بھی تھے۔ ساری رات اس طرح روتے ہوئے افراتفری میں گزر گئی۔ صبح کے قریب آگ پر کنٹرول پایا گیا تو دیکھا کہ ایک پلازہ پورا اور قریبی بینک کی عمارت آدھی جل چکی تھی۔ بازار میں چھوٹی چھوٹی دکانیں تو یوں منظر پیش کر رہی تھیں جیسے یہ بازار نہیں بلکہ کوئلے کی کوئی کان ہو۔ جس کی تباہی و بربادی کسی انسان نما درندے کے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ بقول شاعر:۔

مٹی کے گھروندے ڈھا ڈھا کر ایوان بنائے جاتے ہیں

انسان کے ظالم ہاتھوں سے انسان مٹائے جاتے ہیں

یہ وہ دہشت ناک واقعہ ہے جب یاد آتا ہے تو آج بھی خون کے آنسو رلاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

Geniusnesthub.com

CamScanner